آرا و افکار

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین*

ایک نئی دینی تحریک کی ضرورت

یہ چند سال پہلے کی بات ہے کہ ہم نے ایک دن شہید ڈاکٹر سرفراز نعیمی صاحب سے کہا کہ ہمارے دینی سیاسی لوگ اکٹھے نہیں ہوتے تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہاں 'کرسی' کا مسئلہ ہے لیکن دعوت و اصلاح جیسے غیر سیاسی کام میں دینی لوگ کیوں جمع نہیں ہو سکتے جبکہ اس کام کی بڑی سخت ضرورت بھی ہے۔ کہنے لگے کہ اس میں کوئی بڑی رکاوٹ بظاہر تو نظر نہیں آتی۔ چنانچہ ہم نے باہم مشورہ کر کے مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام اور سول سوسائٹی کے دیندار افراد کا ایک اجتماع جامعہ نعیمیہ میں رکھا جس کا ایجنڈا اور ورکنگ پیپر راقم نے تیار کر کے شرکا کو بھجوا دیا۔ اس اجلاس کی دو نشستیں عصر سے عشا تک ہوئیں۔ ایجنڈے کا اہم نکتہ دعوت و اصلاح اور فرد کی تربیت تھا لیکن افغانستان اور عراق کا مسئلہ اور پاکستان کے سیاسی حالات جیسے اجتماعی مسائل شرکاء کے ذہنوں پر چھائے رہے اور ہم کوشش کے باوجود شرکا کو دعوت و اصلاح کی کسی اجتماعی حکمت عملی کی طرف نہ لا سکے۔

یہ بات ہمیں اس حوالے سے یاد آئی کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب نے اپنے جریدے ماہنامہ 'الشریعہ' گوجرانوالہ کے فروری ۲۰۱۰ء کے شمارے میں منجملہ دوسری باتوں کے پاکستان میں نفاذِ شریعت کے لیے سارے مکاتب فکر کے علماء کرام پر مشتمل ایک نئی دینی جماعت کے قیام کی ضرورت کا ذکر کیا ہے جو انتخاب و اقتدار کی سیاست میں پڑے بغیر اجتماعی جدوجہد کرے۔ مولانا کی بات سرسری اور مجمل ہے اور غالباً کوئی منضبط اور تفصیلی تجویز پیش کرنا ان کے مدنظر نہیں تھا۔ ہم چونکہ اس موضوع پر سوچتے رہتے ہیں لہٰذا ہمارے ذہن میں ایک نئی دینی تحریک کا پورا نقشہ موجود ہے جو ہم اہل فکر و نظر کے سامنے رکھ رہے ہیں تا کہ وہ اس پر غور فرمائیں اور اس کے حسن و قبح پر بحث کے نتیجے میں کوئی اچھی اور قابل عمل بات سامنے آ سکے۔

۱۔ بنیادی بات یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمیں اپنی موجودہ زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق گزارنا ہے تا کہ ہم اخروی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کر سکیں اور اس کی نعمتوں کے سزاوار ٹھہریں۔ اگر ہم بحیثیت معاشرہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی زندگی گزاریں گے تو ہم ان شاءاللہ اس دنیا میں بھی کامیاب ہوں گے اور زوال کے گڑھے سے نکل کر عزت و عظمت کی راہ پر گامزن ہو سکیں گے۔ دنیا میں ہمارے زوال کا ایک بنیادی سبب ہماری اپنے نظریۂ حیات (اسلام) سے دوری اور اس کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا ہے جس کی وجہ سے ہمارے اندر وہ صلاحیتیں پنپ نہیں پا رہیں جو دنیا میں جمع اسباب اور ترقی و غلبے کی راہ ہموار کرتی ہیں۔

---

* سیکرٹری ملی مجلس شرعی وصدر تحریک اصلاح تعلیم، لاہور۔ ermpak@hotmail.com

یہ بنیادی فکری پہلو ہم نے ابتدا ہی میں اس لیے واضح کر دیا کہ ہمارے نزدیک یہی دنیا میں مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی کی اساس ہے نہ کہ اس مغربی فکر و تہذیب کی پیروی جو اپنی اساس میں غیر اسلامی ہے۔ دنیا اور آخرت میں بیک وقت کامیابی کے اسی نظریے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کی بنیاد رکھی جسے آپؐ کے صحابہ کرام نے بھی جاری رکھا اور وہ ربع صدی کے اندر نہ صرف جزیرہ نما عرب بلکہ اس وقت کی ورلڈ پاورز پر غالب آ گئے اور ایسی خوشحالی پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ مسلم معاشرے میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ رہا۔ لہٰذا آج بھی ہماری ترقی اور کامیابی کی اساس دین سے ایسی وابستگی ہے جو ہمارے دنیا کے مسائل بھی حل کر دے اور آخرت میں بھی ہماری کامیابی کے راستے کھول دے۔

۲۔ اس نظریاتی پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے آیئے یہ دیکھیں کہ وہ کون سے گھمبیر مسائل ہیں جو ہمیں (پاکستان کے مسلم معاشرے میں) درپیش ہیں اور جن کا حل ہمیں ڈھونڈنا ہے۔ ہمارے نزدیک اہم ترین مسائل چار ہیں: i۔ اخلاقی ابتری، ii۔ افتراق، iii۔ جہالت، iv۔ غربت۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ہم ان مسائل کے حل کے لائحہ عمل کے بارے میں کچھ عرض کریں، کچھ حقائق کا ادراک اور کچھ تصورات کا صحیح فہم ضروری ہے جن کے بغیر شائد ہماری بات صحیح تناظر میں سمجھی نہ جا سکے:

اولاً: بدقسمتی سے ہماری حکومتیں اکثر و بیشتر عامۃ الناس کی خواہشات اور تمناؤں کے برعکس عمل پیرا ہیں اور یہ عموماً یورپ و امریکہ کی دریوزہ گر ہیں جن کی فکر و تہذیب اس وقت دنیا پر غالب ہے لہٰذا ہم ان بنیادی مسائل کے حل کے لیے صرف اپنی حکومت پر انحصار نہیں کر سکتے۔ اگرچہ ہم ان دینی قوتوں کی حمایت کرتے ہیں جو موجودہ حکومتوں کو مؤثر اسلامی حکومتوں میں بدلنے کی کوشش کر رہی ہیں یا ان پر دباؤ ڈال کر ان سے مطالبہ کر رہی ہیں کہ وہ ان مسائل کو حل کریں، لیکن ان بنیادی مسائل کو بہر حال صرف ایسی حکومتوں کی صوابدید اور رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا جنہیں ان مسائل کے حل سے نہ صرف یہ کہ کوئی حقیقی دلچسپی نہیں بلکہ وہ انہیں اسلام کی بجائے مغربی فکر و تہذیب کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش میں انہیں مزید الجھا رہی ہیں جن سے بگاڑ کم ہونے کی بجائے بڑھ رہا ہے، بلکہ ہمیں عوام کی حمایت سے ان مسائل کو صحیح اسلامی تناظر میں حل کرنے کے لیے پرائیویٹ سیکٹر میں خود مقدور بھر کوشش کرنا ہے جس کی وسیع گنجائش موجود ہے۔

دوم: 'نفاذِ شریعت' کے بارے میں ہمارے ذہن بالکل واضح نہیں۔ ہمارا عمومی تصور یہ رہا ہے کہ یہ صرف 'حکومت' کے کرنے کا کام ہے۔ چنانچہ پہلے تو بعض دینی عناصر یہ تصور پیش کرتے رہے کہ نفاذِ شریعت کا مطلب ہے 'اسلامی قانون کا نفاذ' اور وہ ہر حکومت سے مطالبہ کرتے تھے کہ شریعت اور اسلامی نظام نافذ کرو مطلب یہ کہ اسلامی قوانین نافذ کرو۔ چنانچہ جب ضیاء الحق صاحب نے ۱۹۷۹ء میں اسلامی حدود نافذ کر دیں تو دینی لوگ ایک دوسرے کو مبارکبادیں دیتے تھے کہ اسلامی قوانین نافذ ہو گئے ہیں۔ پھر جب ان قوانین پر نہ عمل ہوا اور نہ ان کے خوشگوار اثرات ظاہر ہوئے تو نفاذِ شریعت بذریعہ اسلامی قوانین کے تصور کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔ پھر یہ تصور ابھارا گیا کہ ہمارے دنیا دار سیاستدان شریعت نافذ کرنے کے نہ اہل ہیں اور نہ اس کی سچی خواہش و جذبہ رکھتے ہیں بلکہ جب علماء اور دینی عناصر کی حکومت آئے گی تو وہ شریعت نافذ کرے گی لیکن صوبہ سرحد میں ملک کے اہم دینی عناصر کو اقتدار مل گیا تو وہاں بھی شریعت نافذ نہ ہو سکی۔ اب یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس صوبے میں اختیارات کم تھے اگر مرکز میں ہماری حکومت ہوتی تو ہم شریعت نافذ کر دیتے۔ ہم کہتے ہیں کہ ان کو مرکز میں حکومت بنانے کا موقع مل جائے تو بھی یہ مؤثر طور پر شریعت نافذ نہیں کر سکتے سوائے چند قوانین پاس کر دینے یا کچھ سطحی قسم کے ظاہری اقدامات کر دینے کے۔ کیونکہ شریعت تو معاشرے میں اس وقت نافذ ہو گی جب ہر فرد اپنے آپ کو شریعت کے مطابق بدلنا چاہے گا یعنی جب لوگوں کے ذہن و قلوب بدلیں گے اور اداروں کے اور ان کے چلانے

والوں کی سوچ اور ڈھب بدلیں گے۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ موجودہ سیاسی نظام، تعلیمی اداروں، میڈیا، پولیس، وکلاء، عدلیہ اور بیوروکریسی کے ہوتے ہوئے اور ان کے ذریعے شریعت نافذ ہو سکتی ہے تو معاف کیجئے وہ جنت الحمقاء میں بستا ہے۔

پس جب نفاذِ شریعت کی حقیقی ضرورت یہ ہے کہ لوگوں کے ذہن وقلوب کو بدلا جائے اور ان کی سوچ، ان کے کردار اور ماحول کو بدلا جائے تا کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلامی احکام پر خوشی سے عمل کرنے لگیں تو اس کے لیے اقتدار کا انتظار کیوں ضروری ہے؟ دینی عناصر عوام کے تعاون سے اور اقتدار کے بغیر، جو بھی وسائل میسر ہیں ان کو استعمال میں لاتے ہوئے یہ کام کیوں نہیں کرتے اور کس نے ان کا ہاتھ پکڑا ہے کہ وہ یہ کام نہ کریں؟ خلاصہ یہ کہ نفاذِ شریعت کا صحیح مفہوم اور طریقہ یہ ہے کہ دینی عناصر کو ایک ہمہ گیر دینی تحریک کے ذریعے تعمیر اخلاق، خاتمۂ افتراق، صحیح رخ میں تعلیمی اداروں اور میڈیا چینلز کے قیام اور غربت کے خاتمے کے لیے اقدامات کرنے چاہئیں اور اس کے ساتھ ساتھ حکومت سے بھی ان کاموں کا مطالبہ کرتے رہنا چاہئے اور جو لوگ ایک صالح حکومت کے قیام کے لیے عملی کوششیں کر رہے ہیں، ان کی بھی حمایت کرنی چاہیے۔

سوم: ہم جس دینی تحریک کی بات کر رہے ہیں اس سے مراد محض علماء کرام کی کوئی نئی جماعت نہیں بلکہ یہ پاکستانی مسلمانوں کے دینی ودنیاوی اہداف کے حصول کی ایک اجتماعی تحریک ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ 'اسلامی' اور 'دینی' کا سابقہ یا لاحقہ اس کے نام کا حصہ ہو تاہم اس تحریک کا تناظر اور اہداف دینی ہیں اور رہیں گے۔ مختلف مکاتب فکر کے معتدل مزاج علماء کرام، جو دین کے عصری تقاضوں کا ادراک رکھتے ہیں، یقیناً اس تحریک کا ہراول دستہ ہوں گے لیکن اس کی حقیقی قوت سول سوسائٹی کے اسلام پسند افراد ہوں گے بلکہ ہر وہ مسلمان اس کا فعال حصہ ہو سکتا ہے جو اچھے مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا خواہاں ہو، انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلامی اصولوں پر استوار کیے جانے کا متمنی ہو اور دنیا وآخرت دونوں میں کامیابی چاہتا ہو۔

چہارم: مجوزہ دینی تحریک غیر سیاسی ہوگی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خدانخواستہ سیاست میں حصہ لینا غیر اسلامی حرکت ہے بلکہ سیاسی قوت کو دینی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اور موجودہ سیاسی نظام کی اسلامی حوالے سے اصلاح کی کوشش کرنا ایک اہم دینی ضرورت ہے لیکن سیاسی جدوجہد کی صرف ایک ہی صورت نہیں کہ پاور پالیٹکس میں حصہ لیا جائے اور حصول اقتدار کے لیے انتخابی اکھاڑے میں کودا جائے لہٰذا مجوزہ دینی تحریک اجتماعی سیاسی قوت کو اسلام کے حق میں استعمال کرنے کے لیے حسب ضرورت متعدد اقدامات کر سکتی ہے لیکن انتخابی سیاست میں حصہ نہ لے گی کیونکہ آج کل کے معروضی حالات میں انتخابی جدوجہد ایک کُل وقتی کام ہے اور اس کے کرتے ہوئے دوسرے اہم دعوتی، اصلاحی اور عملی کام نظر انداز ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے اور مجوزہ تحریک چونکہ ان غیر سیاسی دینی کاموں کو بھی اہمیت دیتی اور اس پر افراد کی صلاحیتیں لگانا چاہتی ہے لہٰذا نہ وہ پاور پالیٹکس میں حصہ لے گی اور نہ کسی کی حریف بنے گی۔

پنجم: مجوزہ تحریک بنیادی طور پر دعوت واصلاح کی تحریک ہوگی۔ دعوت واصلاح کا کام نیچے سے شروع ہو کر اوپر کو جاتا ہے یعنی پہلے فرد کی اصلاح، پھر اہل خانہ اور اعزہ واقربا، برادری وقبیلہ، گلی ومحلے کی اصلاح اور پھر اداروں اور ریاست ومعاشرے کی اصلاح۔ معاشرہ افراد سے مل کر بنتا ہے جب افراد کی اصلاح ہوگی تو معاشرے اور ریاستی اداروں کی بھی بتدریج اصلاح ہوتی چلی جائے گی۔

فرد کی اصلاح ہمارے نزدیک بنیادی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ:

۔ قرآن حکیم سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ تمام انبیاء کرام اور خصوصاً آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطبین کی اصلاح کا جو لائحہ عمل دیا گیا تھا وہ تعلیم کتاب وحکمت کے ذریعے ان کے نفوس کے تزکیہ وتربیت ہی کا تھا لہٰذا تبدیلی کا نبوی منہاج بھی یہی ہے کہ فرد کی تبدیلی پر ترکیز کی جائے۔

۔ یہ فرد ہے جسے آخرت میں اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہونا ہے نہ کہ کسی تحریک یا قوم کو۔

۔ معاشرے اور ریاست کے قیام اور ان کی ضرورت واہمیت کی کنہ پر اگر غور کیا جائے تو ہم بالآخر اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس کا سبب بھی یہی ہے کہ فرد کو راہ راست پر چلنے میں معاونت ملے اور اس کی زندگی سکھ اور سکون سے گزرے۔

۔ دنیا میں آج تک جتنے بھی انقلاب آئے ہیں اور تہذیبیں قائم ہوئی ہیں ان کی اساس فرد میں تبدیلی تھی نہ کہ محض نظم اجتماعی کی بہتری بلکہ اوّل الذکر ایک لحاظ سے ثانی الذکر کی پیشگی ضرورت (pre-requisite) ہے۔

۔ لاریب اجتماعی تبدیلی بھی اہم اور مطلوب ہے لیکن اس کی بنیاد فرد کی تبدیلی ہی ہے لہٰذا فرد اور اس کی سیرت، اس کی تمناؤں، آدرشوں اور اہداف کو تبدیل کیے بغیر، تبدیلی کو محض ریاستی قوت سے اوراوپر سے تھونپا اور مسلط نہیں کیا جا سکتا اور اگر بالفرض کر بھی دیا جائے تو وہ عارضی اور ناپائیدار ثابت ہوتی ہے لہٰذا معاشرے میں پائیدار تبدیلی لانے کے لیے فرد کی تبدیلی اہم تر ہے۔

خلاصہ یہ کہ مجوزہ تحریک جو تبدیلی پاکستان کے مسلم معاشرے میں اجتماعی سطح پر لانا چاہتی ہے اس کے لیے وہ فرد کی تبدیلی کا راستہ اختیار کرے گی۔

ششم: بعض علماء کرام اور دینی لوگوں کو اس مجوزہ تحریک کا لائحہ عمل دیکھ کر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس میں عقیدے کی اصلاح اور نماز، روزے اور داڑھی وغیرہ پر زور نہیں دیا گیا تو یہ کیسی دینی تحریک ہے؟ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو تصور دین شائع اور مروج ہے، اس میں علماء کرام ان باتوں پر پہلے سے خوب توجہ دے رہے ہیں اس لیے ہم نے ان پر زور دینا ضروری نہیں سمجھا کہ یہ تحصیل حاصل ہوگا۔ دوسرے یہ کہ ہمارے ہاں جو تصور دین بدقسمتی سے شائع اور مروج ہے اس میں دو باتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں ہمارے ہاں کے سارے مکاتب فکر کے ثقہ اور سنجیدہ علماء کرام خوب جانتے اور مانتے ہیں کہ وہ غلط ہیں لیکن حالات کے جبر نے انہیں نمایاں کر دیا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک تو دین ودنیا کی تفریق کا مسئلہ ہے (جسے آج کل کی زبان میں سیکولرزم کہا جاتا ہے)۔ سارے علماء کرام جانتے اور مانتے ہیں کہ اسلام میں دین ودنیا کی کوئی تفریق نہیں ہے اور اسلام ادخلوا فی السلم کافۃ کا علم بردار ہے لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ اگر محلے کے لوگ نماز نہ پڑھیں تو یہ 'اسلامی مسئلہ' ہے لیکن محلے کا ایک مسلمان بھوک سے مر رہا ہو تو یہ 'اسلامی مسئلہ' نہیں ہے۔ ہماری رائے میں یہ غلطی مضمون سب پر واضح ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آج کل مسلک کو دین کا مترادف سمجھ لیا گیا ہے جو کہ ظاہر ہے سارے سنجیدہ علماء کرام جانتے اور مانتے ہیں کہ غلط ہے۔

غرض یہ کہ دینیاتی امور اور عبادات وغیرہ کو ہم نے بظاہر اس تحریک میں براہ راست فوکس اور نمایاں نہیں کیا لیکن پوری تحریک کا تناظر اور فریم ورک ایسا رکھا ہے کہ یہ مقصد ان شاء اللہ بالواسطہ طور پر حاصل ہو جائے گا۔

ہفتم: اس وقت ملک میں کئی دینی سیاسی جماعتیں اسلامی حوالے سے سیاست کے میدان میں کام کر رہی ہیں اور بہت سی دعوتی واصلاحی تحریکیں، تنظیمیں اور ادارے دعوتی واصلاحی میدان میں کام کر رہے ہیں۔ مجوزہ نئی تحریک ان میں سے کسی کی حریف نہیں ہوگی اور ان پر تنقید اور ان کی تنقیص نہیں کرے گی بلکہ تحریک کا ماٹو سب کے لیے محبت اور ہر خیر سے تعاون ہوگا۔

۳۔ اس ناگزیر تمہیدی گفتگو کے بعد آیئے اب مذکورہ چار بنیادی مسائل کے حل کے لائحہ عمل کی طرف۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے حل کے لیے مجوزہ تحریک کو چار شعبے یا چار طرح کے ادارے قائم اور متحرک کرنے پڑیں گے:

۱۔ **تعمیر اخلاق:** اگر آپ دقت نظر سے دیکھیں اور غور کریں تو آپ پر عیاں ہو جائے گا کہ ہمارا اصل بحران اخلاقی ہے۔ حبِّ دنیا، حبِّ مال، حبِّ جاہ، جھوٹ، فریب، دھوکہ، رشوت، کرپشن، چوری، ڈاکے، فحاشی، عریانی وغیرہ ہماری سیرت بن چکے ہیں اور اس اخلاقی ابتری نے ہمیں دنیا میں کمزور، رسوا اور تماشا بنا کر رکھ دیا ہے اور مسلم روایت میں اس کا علاج ہے ایمان اور تعلق باللہ کی مضبوطی اور فکر آخرت لہٰذا اس تناظر میں مجوزہ تحریک لوگوں کے تعمیر اخلاق کے لیے چار سطحوں پر کام کرے گی:

i۔ نسل نو کی تربیت کے لیے تعلیمی اداروں میں صحیح تعلیم وتربیت کا فعال نظام۔

ii۔ بڑوں (grown ups) کے لیے ایسی تربیت گاہوں کے قیام کی حوصلہ افزائی جن میں فرد میں تبدیلی کے لیے صحبت صالح اور کثرت ذکر جیسے منصوص اور آزمودہ وسائل استعمال ہوں اور جن میں تصوف کی مروجہ غیر اسلامی رسوم و بدعات قطعاً نہ ہوں۔

iii۔ میڈیا کے ذریعے مناسب ذہن اور ماحول کی تیاری۔

iv۔ گلی محلے کی سطح پر اخلاق سدھار کمیٹیوں کا قیام جو منکرات کو پھیلنے سے روکیں اور اوامر و معروفات پر عمل کرائیں اور اس کے لیے سازگار ماحول پیدا کریں۔

۲۔ **اتحاد:** باہمی افتراق وانتشار نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اختلاف رائے کو ہم بڑی مہارت سے دشمنی اور نفرت میں بدل لیتے ہیں اور حق کو صرف اپنی رائے اور مسلک تک محدود اور اس میں محصور سمجھتے ہیں۔ مجوزہ تحریک کا قیام ہی تحمل، بردباری اور اختلاف رائے کو برداشت کرنے کا مظہر ہوگا کیونکہ اس میں مختلف دینی مسالک اور متنوع سیاسی مکاتب فکر کے لوگ باہم مل جل کر کام کریں گے۔ اس تحریک کا تعلیمی شعبہ بھی کوشش کرے گا کہ دینی تعلیم میں فرقہ واریت اور مسلک پرستی کا رجحان کمزور ہو اور مشترکہ پہلوؤں کو ابھارا جائے۔ اسی طرح اس تحریک کے تحت جو تربیت گاہیں کام کریں گی یا بزنس فورم قائم ہوں گے یا فلاحی مرکز بنیں گے وہ بھی بلا لحاظ دینی وسیاسی مسلک کام کریں گے اور اس طرح قوم میں اتحاد و یکجہتی کی فضا پروان چڑھے گی۔ اسی طرح تحریک بین الاقوامی سطح پر اتحاد امت اور قوموں کے درمیان پُرامن بقائے باہمی کی نقیب ہوگی۔

۳۔ **تعلیم اور میڈیا:** جہالت ہمارے معاشرے کا ایک انتہائی بنیادی مسئلہ ہے کہ کم شرح تعلیم نہ صرف بیروزگاری کا سبب ہے اور اس نے سیاسی عمل کی افادیت کو گہنا دیا ہے بلکہ ہمیں اخلاقی ومعاشرتی مسائل سے بھی دوچار کر رکھا ہے کیونکہ یہ صحیح تعلیم وتربیت ہی ہے جو دماغوں کو روشن کرتی اور دلوں کو بدلتی ہے۔ ترکی اور انڈونیشیا میں ہزاروں سکول اور بیسیوں کالج اور یونیورسٹیاں وہاں کی دینی تحریکیں چلا رہی ہیں تو پاکستان میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ لہٰذا تحریک کوشش کرے گی کہ ہر سطح کے ماڈل تعلیمی ادارے قائم کرے (اور موجودہ اداروں کی اصلاح کرے) تاکہ جو طلبہ جدید تعلیم حاصل کریں وہ دینی تعلیم و تربیت سے بھی بہرہ ور ہوں اور اچھے ڈاکٹر، انجینئر ۔۔۔ بننے کے ساتھ ساتھ وہ اچھے مسلمان بھی ہوں۔ اور جو طلبہ دینی مدارس میں اسلام کی تخصصی تعلیم حاصل کریں وہ جدید علوم سے ناآشنا اور عصری تقاضوں سے غافل نہ ہوں تاکہ آج کے معاشرے کی مؤثر رہنمائی کر سکیں۔ ظاہر ہے اس کے لیے نصابات اور تربیت اساتذہ کے موجودہ مناہج پر نظر ثانی کرنا ہوگی اور تعلیمی اداروں کے موجودہ ماحول کو بدلنا ہوگا جس کا بنیادی نکتہ یہ ہوگا کہ تعلیم اسلامی اقدار کے تناظر میں دی جائے نہ کہ مغربی تہذیب کی اندھی پیروی کرتے ہوئے۔

میڈیا آج کل غیر رسمی تعلیم کا بہت بڑا ذریعہ ہے جو لوگوں کے اذہان وقلوب اور فکر وعمل پر شدت سے اثر انداز ہو رہا ہے۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر جو عناصر مسلمانوں کی راہ کھوٹی کرنا چاہتے ہیں وہ تعلیم اور میڈیا کو اسلام اور اسلامی اقدار سے انحراف کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اس لیے تحریک نہ صرف اپنا ٹی وی چینل کھولے گی بلکہ موزوں تعلیم وتربیت سے ایسے ماہرین بھی تیار کرے گی جو ابلاغ کے فن میں مہارت رکھتے ہوں اور اسلامی ذہن بھی رکھتے ہوں تاکہ وہ جہاں بھی کام کریں اسلامی نظریات واقدار کی حفاظت کی کوشش بھی کریں۔

۴۔ **غربت کا خاتمہ:** مجوزہ تحریک غربت کے خاتمے اور غریبوں کی مدد کے لیے مندرجہ ذیل پہلوؤں پر کام کرے گی:

i۔ بزنس فورم کا قیام: تحریک ان لوگوں کو جو صنعت وتجارت کے شعبے میں کام کر رہے ہیں اور تحریک کے مقاصد سے اتفاق رکھتے ہیں منظّم کرنے کی کوشش کرے گی۔ اس سے ان کو اپنی صنعت وتجارت کو بڑھانے کا موقع ملے گا، باہمی روابط اور مواقع بڑھیں گے اور ان کا کاروبار پھلے پھولے گا۔ تجارت کے غیر شرعی طریقوں سے بچنے کی مشاورت کے ساتھ ساتھ تحریک ان کو فی سبیل اللہ انفاق پر ابھارے گی اور ایسے شعبوں میں کام کرنے کا مشورہ دے گی جو اسلامی اور ملی لحاظ سے زیادہ اہمیت وافادیت رکھتے ہوں مثلاً تعلیم، میڈیا اور دیہی علاقوں میں چھوٹی صنعتوں کا قیام۔۔۔وغیرہ

ii۔ فلاحی مراکز کا قیام: تحریک گلی محلے کی سطح پر ایک ملک گیر نیٹ ورک قائم کرے گی جو اس علاقے کے کھاتے پیتے لوگوں کی اعانتوں سے ایک فنڈ قائم کرے گا اور اسی علاقے کے مستحق غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور بیروزگاروں پر خرچ کرے گا تاکہ ان کے علاقے میں کوئی بھوک سے خودکشی نہ کرے، لوگ بنیادی ضروریات کو نہ ترسیں اور اپنے پیروں پر کھڑے ہوں۔ اس فنڈ سے علاقے میں فری ڈسپنسریاں قائم کی جائیں گی، غریب بچیوں کی شادیاں کی جائیں گی اور دیگر فلاحی کام کیے جائیں گے۔

iii تحریک عمومی تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ طلبہ وطالبات کے ووکیشنل ٹریننگ سنٹر قائم کرے گی تاکہ غریبوں کے بچے وہاں کوئی ہنر سیکھ کر جلد اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں۔

مجوزہ تحریک کی ضرورت واہمیت

کسی ذہن میں یہ سوال آ سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں پہلے سے بہت سے دینی ادارے، تنظیمیں اور جماعتیں موجود ہیں تو اب ایک نئی دینی تحریک کی ضرورت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کسی جماعت اور تنظیم کے کام کی تنقیص نہیں کرتے لیکن جو تنظیمیں اور ادارے اس وقت موجود ہیں اور کام کر رہے ہیں، ان کی محنت وکوشش کے باوجود معاشرے کے بگاڑ کا حال ہمارے سامنے ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ بگاڑ کی قوتیں زیادہ منظّم اور طاقتور ہیں اور ان کے برے اثرات کا رد کرنے کے لیے مزید کوششوں کی ضرورت ہے۔ نیز یہ کہ کام کرنے کے جو منہاج یہ جماعتیں اور ادارے اختیار کر چکے ہیں، ان کی ممکنہ افادیت تو حاصل ہو چکی اب ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی کام کے نئے منہاج سوچے اور آزمائے جائیں۔ موجودہ کاوشوں کے ناکافی ہونے کے دو ثبوت اظہر من الشّمس ہیں:

ایک: یہ کہ پاکستانی معاشرہ بڑی تیزی سے مغربی فکر وتہذیب کے سیلاب میں بہتا چلا جا رہا ہے اور اسلامی اقدار پر عمل دن بدن کم اور کمزور ہوتا جا رہا ہے۔

دوم: دینی عناصر کی اصلاح کی موجودہ پُر امن کوششوں کے غیر مؤثر ہونے اور حکومتوں کے ناروا غیر اسلامی رویوں

سے مایوس ہوکر اور تنگ آ کر شمال مغربی سرحدی قبائلی علاقوں کے بعض دینی عناصر نے بذریعہ قوت اصلاح کا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ حکومت پاکستان اور ان عناصر کے درمیان مسلح جنگ نے خطے کے پیچیدہ حالات اور یورپ و امریکہ اور بھارت کی موجودگی اور مداخلت کی وجہ سے خطرناک صورت اختیار کر لی ہے جس کے نتیجے میں دونوں طرف سے مسلمانوں کا خون بے دردی سے بہہ رہا ہے۔ مطلب یہ کہ مذکورہ بالا حالات یہ ثابت کر رہے ہیں کہ پاکستانی معاشرے کو اسلامی اساس پر قائم رکھنے کے لیے کی جانے والی موجودہ پُرامن کوششیں ناکافی ہیں اور یہ کہ موجودہ حالات پر غور کر کے کام کے نئے راستے نکالنا ناگزیر ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایک نئی دینی تحریک کی ہماری تجویز ایک بہت بڑے خلا کو پُر کر سکتی ہے بشرطیکہ یہ بھرپور قوت سے معاشرے میں روبہ عمل آ جائے۔

کیا یہ سب کچھ ممکن ہے؟

کئی لوگ یہ تحریر پڑھ کر تبصرہ کریں گے کہ یہ ایک یوٹوپیا ہے، ایک تصوراتی بات ہے جو قابل عمل نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں نہیں، یہ بالکل قابل عمل منصوبہ ہے۔ ایسی تحریک چل سکتی ہے بلکہ یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور ایسی تحریک ضرور چلنی چاہئے۔ دیکھئے، آپ کے سامنے مثالیں موجود ہیں، خود پاکستان کی مثال لیجیے۔ اکیلا ایدھی زبردست فلاحی نیٹ ورک چلا رہا ہے۔ 'اخوت' کروڑوں کے چھوٹے قرضے دے کر غریبوں کے چولہے جلا رہی ہے، اسی طرح کا کام بنگلہ دیش میں گرامین بنک کر رہا ہے۔ انڈونیشیا کی جماعت نہضۃ العلماء ۱۳ یونیورسٹیاں، بیسیوں کالج اور ہزاروں سکول چلا رہی ہے۔ ترکی کی نورسی تحریک نے اپنے ملک میں تعلیمی اداروں کا جال پھیلانے کے علاوہ وسط ایشیائی ریاستوں میں ۶ یونیورسٹیاں اور ۳۰۰ اسکول قائم کر دیے ہیں۔ ان کے ۱۰۰ اسکول امریکہ میں قائم ہیں جہاں امریکی بچے پڑھتے ہیں۔ غرض یہ نہ کہیے کہ کام نہیں ہوسکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو تو اچھی پلاننگ اور مؤثر لیڈرشپ سے یہ کام ہو سکتے ہیں اور ہمارے ملک میں، الحمد للہ، ٹیلنٹ کی کمی نہیں ہے۔ چونکہ اس تحریک کی بنیاد دینی ہے لہٰذا سب سے پہلے ایسے علماء کرام کو سامنے آنا چاہئے جو اس طرح کی تحریک کی بنیاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ساتھ پھر اگر اخلاص، محنت، حکمت اور جذبہ آپ کے ساتھ رہا تو اس سوسائٹی سے آپ کو ایسے افراد، ان شاء اللہ، بڑی تعداد میں مل جائیں گے جو اس تحریک کو اٹھا سکیں۔ اس کام کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ اس موضوع پر سوچ بچار کی جائے۔ ہم نے محض کچھ تجاویز سامنے رکھی ہیں جن میں سے کوئی چیز حرفِ آخر نہیں۔ ضروری ہے کہ بحث وتنقید سے اس تصور کو منقح کیا جائے تا کہ کوئی متفقہ اور قابل عمل بات سامنے آ سکے۔

تلخیص مباحث

ہماری گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستانی معاشرے کو اسلام پر قائم رکھنے کے حوالے سے موجودہ دینی کاوشیں ناکافی ثابت ہو رہی ہیں اور وقت کا تقاضا ہے کہ ایک نئی دینی تحریک اٹھے جس کے خدوخال یہ ہوں:

- یہ ایک غیر سیاسی اصلاحی تحریک ہو۔
- اس میں سارے دینی مسالک، سیاسی مکاتب فکر اور سول سوسائٹی کے لوگ شامل ہوں۔
- یہ تحریک سوسائٹی کے مؤثر طبقات اور افراد کو گراس روٹ لیول پر منظم اور متحرک کرے، ماڈل تعلیمی ادارے اور میڈیا چینلز قائم کرے، بزنس فورم اور فلاحی مراکز قائم کرے اور ان کے ذریعے تعمیر اخلاق اور غربت و جہالت کے خاتمے کی جدوجہد کرے۔ هذا ما عند نا و العلم عندالله۔